Sociology & Cultural Research Review (SCRR)
Available Online: https://scrrjournal.com
Print ISSN: 3007-3103 Online ISSN: 3007-3111
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

The Tradition of Marsiya Writing in Multan: A Research Study

ملتان میں مرثیہ نگاری کی روایت:ایک تحقیقی مطالعہ

Muhammad Imran
Ph.D. Urdu Scholar, NCBA&E Sub Campus Multan
aliwala87654321@gmail.com
Dr. Aslam Aziz Durrani
Professor, NCBA&E Sub Campus Multan

ABSTRACT

Multan, often referred to as the "City of Saints," has historically served as a center of scholarship, literature, and spirituality. Among its diverse literary traditions, marsiya writing holds a distinctive place, reflecting not only lamentation but also deep cultural, social, and spiritual values. This tradition, rooted in devotion and poetry, goes beyond individual grief to express collective ideals such as patience, sacrifice, loyalty, and resistance against injustice. In the nineteenth century, Multan's marsiya flourished within the broader framework of Urdu and Indo_Persian literature, enriching both its thematic scope and stylistic diversity. Characterized by accessible language, indigenous style, and rhetorical eloquence, it conveyed the essence of mourning while highlighting social consciousness and resilience. A critical study of this tradition reveals that Multan's marsiya is more than a poetic form of elegy; it is an enduring cultural expression linking faith, literature, and society. As such, it stands as a vital contribution to South Asian literary heritage and reflects the city's prominent role in shaping intellectual and spiritual discourse.

Keywords: *Multan, City of Saints, Marsiya, Urdu Literature, Indo-Persian Tradition, Cultural Heritage, Spiritual Discourse*

مرثیہ وہ صنف سخن ہے جس میں کسی شخص کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا جائے۔مزید اس میں اخلاق و اوصاف کے ساتھ ساتھ اس کی شہادت،وفات اور مصائب کا ذخر بھی کیا جائے مرثیہ کہلاتا ہے۔مرثیہ کی تعریف کو اگر ہم جامع علمی اُردو لغت (جو وارث سرہندی نے لکھی ہے)کیمطابق دیکھیں تو

> ”وہ نظم یا اشعار جس میں کسی شخص کی وفات یا شہادت کا حال اور ان مصیبتوں کا ذکر ہو خصوصاً شہدائے کربلا کا یہ نظم مسدس،مسمط یا ترجیع بند یا ترکیب بند کے طور پر ہونی چاہیئے“۔(۱)

خطۂ ملتان جنوبی ایشاء کا قدیم ترین شہر ہے ۔جو اپنی قدامت، تاریخ، فراوانی دولت، تجارت، علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ وہ شہر ہے جو بزرگانِ دین کا مسکن اور ہندوستان کے لیے باب الاسلام کہا جاتا ہے۔اس خطے کی تاریخی، مذہبی اور علمی و ادبی اہمیت خاص طور پر مذہبی شاعری کی بنا پر رہی ہے۔شاعری پر صوفیانہ رنگ کے ساتھ ساتھ اس شہر کو مرثیہ گوئی کی ابتداء کا شرف بھی حاصل ہے۔ دوسرے علاقوں میں مرثیہ گوئی کی روایت اسی خطے سے ہی منتقل ہوئی۔اس کے متعلق ڈاکٹر روبینہ ترین نے اپنی کتاب "تاریخ ادبیات ملتان" میں لکھا ہے کہ

> "ابتداء میں اس شہر میں ملتانی (سرائیکی) زبان میں مرثیے لکھے گئے اس لیے یہاں ملتانی مرثیے کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ اس زبان کے مرثیہ گو شعراء کو ملک کے دوسرے شہروں میں بھی مرثیہ خوانی کے لیے بلایا جاتا تھا"۔(۲)

برصغیر پاک وہند میں مرثیہ کی روایت چونکہ بہت قدیم ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے آج کے اُردو ادب کے مرثیہ پر لکھنؤ کے مرثیے کا اثر غالب نظر آتا ہے۔اسی طرح ملتان میں بھی مرثیے کی روایت بہت قدیم ہے۔ اگر ہم ملتان میں مرثیے کی روایت کو تاریخی پس منظر سے دیکھیں تو یہاں عزاداری اور مرثیے کا پنپنا کوئی بڑا معاملہ نہیں ہے چونکہ زمانہ قدیم سے ایک لمبے عرصے تک اس خطے کی خوشحالی کے باعث ہر حملہ آور اور مہم جو نے یہاں حملہ کیا قتل وغارت اور ظلم و ستم کیا۔ مگر اس خطے (اہلیان ملتان) نے ان تمام تر حملوں، محاصروں، ظلم و ستم اور قتل و غارت کے باوجود ذہنی اور فکری طور پر غلامی قبول نہ کی۔یہی وجہ ہے کہ واقعہ ء کربلا کے سرزمین عرب پر ہونے کے باوجود اہل بیت پر آنے والے مصائب اور مظالم کو خطۂ ملتان میں زیادہ محسوس کیا گیا۔سب سے بڑی یہ بات کہ باشندگان ملتان نے اس رنج و غم کے صدیوں کے سفر کو کبھی بھی انتقامی نظر سے نہ دیکھا بلکہ اپنے غم اور

صدمات کو تخلیقی اظہاریے کے ذریعے مرثیہ خوانی، عزاداری اور وین جیسی صنفوں میں ابلاغ کا ذریعہ بنایا۔ مرثیہ کی ابتداء کے متعلق نادرات ملتان میں شامل حفیظ خان کے مضمون میں لکھا ہے کہ

”اگر تاریخ اسلام میں عزاداری کے ان رویوں میں مرثیہ گوئی ہی کو لیں تو اس کا آغاز سانحہ کربلا (۶۱ء) کے فوری بعد حضرت امام زین العابدین کے مرثیہ سے ہو گیا تھا جو انہوں نے قافلہ حسین کے فرد کی حیثیت سے تحریر کیا تھا۔“(۳)

کچھ مؤرخین کے نزدیک چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں تاتاریوں کے حملوں کے بعد بغداد سے شیعوں کی کافی تعداد ملتان ہجرت کر آئی۔ جن کے عقائد اور ثقافت کا ملتانیوں پر گہرا اثر ہوا۔ اور اس کے علاوہ ایران اور وسط ایشیاء سے بھی وقتاً فوقتاً شیعہ عقائد کے لوگ یہاں آ کر بسیرہ کرتے رہے۔ جن کے عقائد اور رسم ورواج آہستہ آہستہ یہاں بھی در آئے۔ کیونکہ آنے والے لوگوں نے کربلا کے واقعات اور اہل بیت پر ڈھائے جانے والے مظالم اور ستم سے اہلیان ملتان کو اس طرح آگاہ کیا کہ یہاں کے لوگ اہل بیت اور شہدائے کربلا سے گہری عقیدت کے گرویدہ ہو کر رہ گئے۔ اور یوں ان پر شعیت کے اثرات غالب نظر آئے۔ منشی عبدالرحمن نے اپنی کتاب "ملتان ذی شان" میں لکھا ہے کہ

”ملتان میں مرثیہ خوانی کا آغاز ۷۶۰ء سے ہوا جب پہلی دفعہ اہل تشیع ایران سے ملتان آئے۔ ملتان جب تاتاریوں کی گرفت میں آیا تو بقول علامہ تسکین کاظمی ملتان میں اتنے دانشور، شرفاء اور سادات عظام پناہ گزیں ہوئے کہ ملتان پر ایران کا شبہ ہونے لگا۔ سانحات کربلا سے متاثر ہو کر مقامی شعراء نے مظالم یزید و شمر پر باقاعدہ جنگ نامے لکھنے شروع کر دیئے۔“(۴)

خطۂ ملتان جو کہ اسلام سے قبل بھی تہذیب و ثقافت کا سرچشمہ رہا ہے۔ مسلمانوں نے جب سندھ اور ملتان کو فتح کیا تو یہاں کی تہذیب و ثقافت پر بیرونی اثرات مرتب ہوئے۔ اس کے علاوہ تاجروں، حملہ آوروں اور دیگر مبلغین نے بھی یہاں کی معاشرت پر نت نئے تہذیبی و ثقافتی اثرات ڈالے جس کے نتیجے میں یہاں مندروں، مسجدوں اور اسلامی تہذیب و تمدن کے گہوارے ساتھ ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔

ملتان میں مرثیے کی روایت میں یہاں کے مقامی شعراء اکرام کا بڑا حصہ شامل ہے۔بالکل اسی طرح جیسے اُردو مرثیے میں دکن، دہلی اور لکھنؤ کے شعراء کا حصہ ہے۔ملتان کے ایسے بہت سے شعراء ہیں جنھوں نے مرثیہ کے ذریعے اپنا لوہا منوایا اور پہچان بنائی۔ملتانی مرثیے کے آغاز وارتقاء میں یہاں کی مقامی زبان (سرائیکی / ملتانی) کا بڑا حصتہ ہے۔اسی کی وجہ سے مرثیہ کو عوامی سطح پر مقبولیت کی سند حاصل ہوئی مرثیے کی مقامی زبان کے متعلق ڈاکٹر روبینہ ترین نے لکھاہے کہ

"یہاں مرثیہ گوئی کا آغاز ملتانی زبان میں عوامی سطح پر مقبول اور مروج ہوا۔اُردو مرثیہ کو ملتان میں بہت بعد میں فروغ حاصل ہوا۔کیونکہ یہاں کی عوام ناواقفیت کی بناء پر اس زبان کو سمجھنے سے قاصر تھے جبکہ مرثیہ کی صن‌ف کا تعلق مجلسی زندگی سے زیادہ تھا، لیکن آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سرائیکی زبان میں اُردو کے الفاظ شامل ہوتے رہے اور یوں آخر کار کئی مراحل سے گزرنے کے بعد اُردو زبان اپنی شناخت کرانے کے قابل ہوئی۔"(۵)

مرثیے کی ابتداء میں اس کی ہیئت موجودہ مرثیے سے مختلف تھی۔جو اجزاء موجودہ دور میں شامل ہیں شروع میں شامل نہ تھے۔لیکن پھر وقت کے ساتھ ساتھ آتے گئے۔پہلے پہل یہ تقریر کی صورت میں تھا پھر غزل کی صورت میں بھی لکھا جاتا رہا۔چلتے چلتے دسویں صدی ہجری میں اسے عروج کی جانب گامزن کیا گیا۔یون اس میں چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، معرکہ آرائی، تلوار کی تعریف، بین اور دعا وغیرہ کی صورت در آئی۔

ملتانی شعراء نے بھی اس صنف سخن میں اتنی شہرت حاصل کی کہ بہت سے شعراء مرثیے کے لیے لکھنؤ تک بلائے جاتے رہے۔اس خطے میں مرثیہ گوئی کی روایت میں سرائیکی اور اُردو زبان کے مرثیہ گو شامل ہیں۔ تقسیم پاکستان کے بعد بہت سے شعراء یہاں آکر بسے جنھون نے اپنی تہذیب و ثقافت کو اپناتے ہوئے شاعری کی۔مگر یہاں کے مقامی شعراء نے سرائیکی زبان اور کم و بیش اُردو میں بھی مرثیے کہے جو ان کے سرائیکی مجموعوں میں ہی ملتے ہیں۔

منشی غلام حسین شہید:

غلام حسین شہید نے عربی، فارسی، ملتانی اور اُردو میں شاعری کی۔ ان کا فارسی دیوان عمر کمال خان ایڈووکیٹ نے "دیوان حسن" کے نام سے مرتب کیا۔ اُردو کا دیوان ان کے سجادہ نشینوں کے پاس دیوان متفرق کے نام سے محفوظ ہے۔ ان کے مرثیے چھوٹی بحر اور شدت احساس کے حامل ہیں۔ جن پر ایرانی اثر غالب نظر آتا ہے۔

سکندر پنجابی:

سکندر پنجابی کا اصل نام محمد علی اور بعض کتابوں میں خلیفہ محمد علی سکندر پنجابی بھی ملتا ہے۔ یہ سودا کے ہم عصر شاعر ہیں۔ محمد علی ملتان سے اُودھ ہجرت کر گئے تھے۔ لیکن عمر کا ایک طویل عرصہ ملتان میں گزارا۔ ان کے مرثیے مسدس کی شکل میں ملتے ہیں۔ ان کا ایک مشہورِ زمانہ مرثیہ ملاحظہ فرمائیں۔

"ہے روایت شتر اسوار کسی کا تھا رسول
ان دنوں شہر مدینہ میں ہوا اس کا نزول
جس محلے میں باہم رہتے تھے حسنین وبتول
ایک لڑکی کھڑی دروازہ پر بیمار وملول
خط لیے کہتی تھی پردے کے قرین زار ونزار
ادھر آ تجھ کو خدا کی قسم اے نامہ سوار" (٦)

مولوی لطف علی:

مولوی لطف علی نے اپنی تصنیف سیف الملوک میں اہل بیت اور شہادت امام حسین علیہ السلام کو خاص طور پر اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ اس تصنیف کو عروج تک پہنچانے کے لیے انہوں نے سرائیکی مرثیہ گوئی کا انتخاب کیا۔ یہی وہ دور تھا کہ جب خطۂ ملتان میں لکھا جانے والا مرثیہ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ سامنے آیا۔

میاں مسکین:

میاں مسکین اٹھارہویں صدی عیسوی کے مشہور و معروف مرثیہ گو اُردو شاعر تھے جو مرزا محمد رفیع سودا کے ہم عصر تھے۔بعض محققین کے مطابق ان کا اصل نام عبداللہ صدیقی اور پیدائش کا شہر دہلی ہے۔جبکہ کچھ کے نزدیک میاں مسکین ملتان سے ہجرت کر کے اُودھ گئے تھے۔البتہ ان کے کلام میں مرثیے چار مصرعوں پر مشتمل بند کی صورت میں ہیں۔ان کے کلام کا ایک نمونہ جو "اُردو مرثیے کے پانچ سو سال" عبدالروف عروج کی کتاب میں شامل ہے۔ملاحظہ کریں

"یا نبی جیسی تمہیں نبیوں میں سرداری ہے
سب کی خلعت سوں تمہارا سرو پا بھاری ہے
ویسی ہی آل تہاری کوں دل آزاری ہے
سب سے زیادہ انہوں پر بیتی جفاکاری ہے
فاطمہ ہے تو بیچاری کا جو گھر لوٹا ہے
اوّلاً ظلم کا تارا اسی پر ٹوٹا ہے
کہتی ہے میر النصیبہ تو عجب پھوٹا ہے
باپ کے مرتے سوا مجھ پہ جفاکاری ہے"(۷)

میاں مسکین وہ مرثیہ گو شاعر تھے کہ جن کی شہرت لکھنؤ تک تھی۔میاں مسکین اور سکندر ہی تھے جو لکھنؤ میں سرائیکی زبان اور ملتان کی ایک منفرد شناخت کا ذریعہ بنے۔اور اسی وجہ سے میر تقی میر،رام بابو سکسینہ اور جان گلکرسٹ نے اپنے تذکروں میں ان کا نام لینا ضروری سمجھا۔ایک اور اہم بات جس کا ذکر کرنا زیادہ مناسب ہو گا کہ سودا کے سرائیکی مرثیے کی بنا پر ہی سرائیکی میں مسدس کی ہیئت در آئی تھی۔اسی دور میں سرائیکی مرثیے میں شعراء نے منظوم مرثیوں میں نثرپاروں کی مناسب جڑت اور دفعہ جیسی صنف سے روشناس کرایا۔دفعہ کی صف وہ ہے جس میں موضوعاتی ڈھڑوں کی مخصوص ترتیب سے واقعات کربلا کے کسی ایک واقعہ کو موضوع بنا لیا جاتا

ہے۔اسی طرح ہم دیکھیں تو ملتان کے دیگر مرثیہ نگاروں کے ساتھ ساتھ قادر بخش ،بردہ کمترین،غلام حسین،عاجز اور سکندر خان بلوچ لشاری جیسے مرثیہ گو شعراء شامل ہیں۔سرائیکی مرثیہ آغاز وارتقاء کے متعلق حفیظ خان کے مضمون مشمولہ "نادرات ملتان" میں لکھا ہے کہ

> ”سرائیکی مرثیہ کا ابلاغ پوری توانائی کے ساتھ اس وقت سامنے آیا جب انیسویں صدی عیسوی کے آغاز کے ساتھ ہی ملتان میں چھاپہ خانے لگنا شروع ہوئے۔اندرون وبیرون بوہڑ گیٹ کے تاجران کتب نے اسے اپنی تجارتی ضروریات کے ساتھ ساتھ مذہبی عقیدت کے اظہار کے لیے مقامی وغیر مقامی شعراء کے مرثیوں کو خطہٗ ملتان کے علاوہ برصغیر کے طول وعرض میں پھیلا دیا۔“(۸)

مرثیہ گوئی کے عروج کے اس زمانے میں جن شعراء اکرام نے اپنا لوہا منوایا ان میں ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک قصبے دریاخان کے اللہ بخش جنہیں فدوی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے شامل ہیں۔ان کے علاوہ بھکر کے غلام حسین غلام،مولوی فیروز دین،مولوی محمد صدیق،سید ذوالفقار شیرازی،سید الطاف حسین،منور،سید علی شاہ چھینوی،نواب شاہ نواز،خادم سید غلام حسین شیرازی،سید اکبر شاہ،سید علی ملتانی،مولوی نذر حسین،کمال خان مگسی، تہور ملتانی، منشی کمال خان سائل،ماہر بہاولپوری،سید محمد شاہ اور غلام محمد شاہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

سرائیکی مرثیہ گوئی کی اس فہرست کے بعد والی صف میں منشی نبی بخش مضطر ملتانی،مولوی گل محمد عاشق،منشی محمد رمضان ملتانی،حاجی نبی بخش شوق کربلائی،غلام حیدر فدا،حیدر گردیزی اور عبدالرحمن بیدل حیدری شامل ہیں۔عبدالرحمن بیدل حیدری میرٹھ سے پاکستان میں آئے اور کبیر والہ میں رہائش اختیار کی۔ان کے ہاں جدت اور تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی شامل ہیں۔ان کی طبع آزمائی کے متعلق ڈاکٹر روبینہ ترین نے لکھا ہے کہ

> ”ان کے ہاں حزنیت کا عنصر بہت زیادہ ہے۔کربلا ان کے ہاں جبر کی ایک علامت بن کر ابھری ہے۔جس کو انہوں نے آج کے زمانے میں پھیلا دیا ہے۔“(۹)

عبدالرحمن بیدل حیدری نے اختصار سے کام لیااور مرثیے کی روایت سے ہٹ کر گریز کو نمایاں کیا۔یوں اسن کے ہاں بلاغت جیسی خوبی نمایاں ہوئی اور مرثیے میں فنی طور پر حسن پیدا ہوا۔ان کے مرثیے میں اختصار جیسی خوبی کی وجہ سے جامعیت بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔سرائیکی مرثیے کے شاعروں کی اس صف میں اصغر علی شاہ،ڈاکٹر عاصی کرنالی،خادم حسین سحر،اقبال ارشداور سید محسن نقوی قابل ذکر ہیں۔

سرائیکی مرثیہ کی روایت کے سلسلے میں دیکھیں تو اس کی ابتدائی تاریخ کچھ واضح نہ ہونے کے باوجود سرائیکی شاعری کی صنف نے اپنالوہاپوری آب وتاب کے ساتھ منوایاہے۔لہذا یہ کہنابجاہو گا کہ اہلیان ملتان کبھی بھی اور کسی بھی دور میں اپنی ملی اور مذہبی حساسیت کے ذریعے اہل بیت کے غم سے غافل نہیں رہے۔یہ چیز اس خطے کی مٹی میں شامل ہے کہ یہاں کہ باسیوں نے کربلا کے مظلومین سمیت دنیا کے کسی بھی خطے میں ہونے والے ظلم ،بربریت کو عملی و عقلی طور پر رد کیا اور مظلوموں کی ڈھارس بندھائی ۔یہاں تک کہ اس کے رد عمل میں ایک،مہذب،شائستہ اور ادبی اظہار یہ اپنایا۔یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے لٹتے، قتل وغارت کانشانہ بنتے اور حملوں کی زد میں ہمیشہ رہنے اور غاصبیت کے باوجود یہ خطہ جیتی جاگتی تہذیب وثقافت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حوالہ جات

۱۔وارث سرہندی،جامع علمی اُردو لغت،لاہور،علمی کتاب خانہ،۱۹۷۶ء،ص۱۳۶۷

۲۔روبینہ ترین،ڈاکٹر،تاریخ ادبیات ملتان،ملتان،بکس اینڈ ریڈرز ملتان،۲۰۲۴ء،ص ۲۳۲

۳۔ حفیظ خان،ملتان میں سرائیکی مرثیے کی روایت،نادراتِ ملتان،مرتب:عامر شہزاد صدیقی،ملتان،دانشور فورم،دسمبر ۲۰۲۲ء،ص ۵۳

۴۔عبدالرحمن،منشی،ملتان ذی شان،ملتان،مطبوعہ عالمی ادارہ،اشاعت علوم اسلامیہ،س۔ن،ص ۴۳۳

۵۔روبینہ ترین،ڈاکٹر،تاریخ ادبیات ملتان،ملتان،بکس اینڈ ریڈرز ملتان،۲۰۲۴ء،ص ۲۳۴

٦۔عبدالروف، عروج، اردو مرثیے کے پانچ سو سال، کراچی، مکتبہ نیاراہی، س۔ن، ص۹۵

۷۔ایضاً، ص۸۷

۸۔حفیظ خان، ملتان میں سرائیکی مرثیے کی روایت، نادراتِ ملتان، مرتب: عامر شہزاد صدیقی، ملتان، دانشور فورم، دسمبر ۲۰۲۲ء، ص۵۷

۹۔روبینہ ترین، ڈاکٹر، تاریخ ادبیات ملتان، ملتان، بکس اینڈ ریڈرز ملتان، ۲۰۲۴ء، ص۲۵۱۔۲۵۲

SCRR